# گیبرئیل گارشیامارکیز کامابعد الطبیعاتی منظر نامہ: بحوالہ ”محبتوں کے آسیب“

ڈاکٹر منزہ مبین اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، ویمن یونیورسٹی صوابی
ڈاکٹر نقیب احمد جآن ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، ویمن یونیورسٹی صوابی

## The Metaphysical Scenario of Gabriel García Márquez; A case study of "Muhabbaton ke Asaib"

**Dr. Naqeeb Ahmad Jan, Dr. Munaza Mubeen**

## ABSTRACT:

**Story is the utmost need of human beings and undeniable fact of his life. It began with the beginning of human life. Supernatural and metaphysical events and characters are part of stories from the pre-historical era, they are also found in this developed world, and will last till the end. Because human nature satisfies with such supernatural and metaphysical bands. It is true that the lesser is the knowledge, the broader are the metaphysical occurrences. But it is also a fact, that a well-educated and learned person can be moved by supernatural and metaphysical stories because of his or her natural tendency towards them. Gabriel Garcia Marquez is a modern fiction writer, although a strong touch of myth, metaphysical and supernatural occurrences can be found in his works. This article shed light on his metaphysical and supernatural views as a case study of "Muhabbaton ke Asaib."**

**Key Words:** **Gabriel García Márquez, Novel, Muhabbaton ke Asaib, Metaphysics, Myth**

*********

کرۂ ارض پر انسان کی آمد اور اس سیارے کی آبادکاری بذاتِ خود ایک مابعد الطبیعاتی معاملہ ہے، جس تک ہر تہذیب و تمدن اور ہر دین و مذہب کے ماننے والوں نے غور و فکر کے سمندروں کی شناوری کر کر کے اپنی اپنی استعداد کے مطابق پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ جب کوئی ایسا حادثہ یا واقعہ رونما ہوتا ہے جو انسان کی ذہنی لیاقت اور علمی استعداد سے ماورا ہو تو یہ اس کے لیے مابعد الطبیعات کا کرشمہ بن جاتا ہے۔ ہر انسان اپنی زندگی میں کئی ایک ایسے واقعات و حادثات کا شکار ہوتا ہے جو اس کے لیے مابعد الطبیعات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر وہ چیز مابعد الطبیعات کے زمرے میں شمار ہو سکتی ہے، جس تک انسان ذہنی اور شعوری طور سے آسانی سے نہ پہنچ سکے۔ انسان کی کہانی کا آغاز اس دن سے ہوا ہے جس دن سے انسان کی زندگی کی کہانی شروع ہو گئی ہے، اور اس کہانی میں لمحہ لمحہ انسان کو نئ

نئ کہانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دیومالا اور اساطیر کی شکل اختیار کر جاتی ہیں۔ ہر کہانی کے ہر کردار کے تمام تر گوشوں اور نفسیات تک قاری یا سامع پہنچے، ایسا ممکن نہیں ہے اور جو گوشے اس کی دسترس سے باہر رہیں، وہ مابعد الطبیعات کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ اس دنیا کا وجود تبدیلی اور تغیر سے عبارت ہے۔ ہر نئ منزل اور ہر نیا زمانہ پچھلی منزل اور پچھلے زمانے کے نقوش کو دھندلا دیتا ہے، جس سے ایک طرح کی بے یقینی کی فضا جنم لیتی ہے۔ یہ بے یقینی اور یہ فاصلے آنے والے ادوار میں گزرے ہوئے ادوار کے حوالے سے مبہم خاکے تو چھوڑ جاتے ہیں، لیکن مکمل تصویریں نہیں۔ اور یہ مبہم خاکے اور نامکمل تصویریں مابعد الطبیعات کو جنم دینے کا باعث بنتے ہیں۔ یہ مبہم خاکے داستانوں، کہانیوں اور اساطیر کی صورت میں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ کچھ اساطیر، کہانیاں اور داستانیں ایسی ہوتی ہیں، جو ماضی کے واقعات و حادثات کے دھندلے اور مبہم خاکوں کی صورت میں محفوظ ہو جاتے ہیں اور کچھ کہانیاں، اساطیر اور داستانیں انسانی ذہن کی اختراع ہوتی ہیں۔ ان داستانوں میں ایک سے بڑھ کر ایک انسانی، حیوانی اور غیر مرئی کردار دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اساطیر اور دیومالاوں میں بھی قصہ گوؤں کا عمل دخل ہوتا ہے۔ وہ قصہ یا داستان کو رنگین اور دل چسپ بنانے کے لیے اپنے فنِ قصہ گوئی کو استعمال کرتا ہے۔ پھر جدید فکشن جس میں ناول، کہانی، ڈراما اور افسانہ وغیرہ شامل ہیں، مکمل طور پر اپنے خالق کے زورِ تخیل اور فنِ قصہ گوئی کا مرہونِ منت ہے۔ فکشن کے حوالے سے آغاز قصہ سے ہی کہانی کی طرف اسی صورت بڑھنا چاہیے، جب قصے سے متعلق افراد کی صورت حال قصہ گو کے ذہن میں واضح ہو، تاکہ ان کے اعمال و افعال ، حرکات و سکنات سب موقع محل کے مطابق ہوں۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے بقول

> ”صناع تو وہ ہے جو اپنی مخلوق کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ اس کے مخاطب اس کو اپنے ”میں“ کا ایک زندہ شخص تصور کرنے لگیں اور اس کے حالات زندگی سے ویسے ہی متاثر ہوں جیسے ان کے خاندان کے کسی فرد کے زوال یا عروج کے وقت وہ متاثر ہو جاتے ہیں۔“[i]

جدید فکشن اور اساطیر یا دیومالاوں میں زمانی اعتبار سے فرق واضح ہے۔ اس کے علاوہ چند ایک اور خصوصیات ان کی ایسی ہیں جن کے ذریعے دیومالاؤں، اساطیر اور جدید فکشن میں امتیاز واقع ہوتا ہے۔ بات کو واضح کرنے کے لیے یہ دیکھنا لازمی ہے کہ اساطیر یا دیومالا اور جدید فکشن میں کون سی ایسی باتیں ہیں جو ان کو ایک دوسرے سے ممیز یا مماثل ٹھہراتی ہیں۔ پہلے یہ واضح ہونا ضروری ہے کہ اساطیر کیا ہیں؟ سو مختصر لفظوں میں 'اسطورہ' ایک ایسی کہانی ہوتی ہے، جس میں دیوی دیوتاؤں یا ان کی نمائندہ یا قائم مقام شخصیات کے اوصاف و فضائل یا کارنامے بیان کیے گئے ہوں یا پھر مذہبی روایات سے متعلق ایسی کہانی جس میں کسی ماورائی یا مافوق الفطرت یا

مابعد الطبیعاتی تجربے کو بیان کیا گیا ہو۔[ii] سینہ بہ سینہ چلتے آتے قصے کہانیاں ہر دور میں دلچسپی کا سامان پیدا کرتے آئے ہیں، بالخصوص جب کہ دور حاضر میں جدید علوم اور ٹیکنالوجی کی وسعتوں نے انسان کو ذہنی اور مادی طور پر نہایت زیرک اور حساس بنا دیا ہے اور وہ تخیل کے بجائے حقیقت کی جانب پوری طاقت سے گامزن ہے۔ ایسے میں تخیلاتی قصے کہانیاں کارِلاحاصل سمجھی جانے والی چیز بن گئی ہے۔ لیکن اسی ہی دور میں لاطینی امریکہ سے تعلق رکھنے والا ادیب اور ہسپانوی ادب کی شان گیبرئیل گارشیامارکیز اتنا بھرپور تخیل اور مابعد الطبیعاتی منظر نامہ رکھتا ہے، کہ بغیر کسی تگ و دو اور مشکل سے بآسانی دیومالائی عہد کی سیر کرا دیتا ہے، اور وہ بھی کچھ اس طرح سے کہ حقیقت اور افسانوی ادب کی تفریق مشکل ہو جاتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا کہنا ہے کہ

> آج کی سائنسی دنیا میں مافوق فطرت نہ سہی لیکن انسان کی اس نفسیات کو نہ بھولنا چاہیے کہ مافوق الفطرت سے وابستگی اس کی فطرت میں ہے۔ انسان ہمیشہ سے ایمان بالغیب کا قائل رہا ہے اور دیدہ سے شنیدہ اور شنیدہ سے نادیدہ چیزوں کا شیدائی ہے۔[iii]

مارکیز اپنے دور کے بہترین کہانی کار اور فکشن نگار ہیں۔ وہ کہانی میں کہانی پن پیدا کرنے کے ماہر ہیں۔ زندگی کے تلخ حقائق کو کہانی کے اندر سمونے کے ساتھ ساتھ وہ اس کی فضا کو سحر انگیز اور سرور آمیز بنانے کے لیے اس میں دیومالائی اور اساطیری رنگ بھی بھر دیتے ہیں۔ اس طرح ان کی کہانی قاری کو اپنے سحر میں لے لیتی ہے، اور اس کو پوری طرح اپنی گرفت میں جکڑ لیتی ہے۔ گیبرئیل گارشیامارکیز کے ناول (Of love and other demons) کا ترجمہ ''محبتوں کے آسیب'' کے عنوان سے ضیاالحق نے کیا ہے۔

اس ناول کا منظر نامہ مارکیز کے دوسرے کئی ناولوں کی طرح (ماضی کی یادوں) فلیش بیک تکنیک سے جڑا نظر آتا ہے۔ اس ناول کے پس منظر کو مارکیز نے پیش لفظ میں بیان کیا ہے کہ "۲۶ اکتوبر ۱۹۴۹" اہم خبروں سے بھرپور دن نہ تھا۔ استاذ کلیمنٹ مینوئل زابلا نے جو کہ اس اخبار کا چیف ایڈیٹر تھا جہاں میں نے نامہ نگاری کی مبتدیات سیکھیں۔۔۔ اسے ٹیلی فون پر بتایا گیا کہ سانتاکلارا کی قدیم خانقاہ کے مدفن خالی کیے جا رہے ہیں۔ کسی قسم کی ہچکچاہٹ کے بغیر اس نے مجھے کہا کہ ''وہاں چلے جاؤ اور دیکھو شاید تمھیں کوئی کام کی بات ہاتھ لگ جائے۔ کلاریسان اور راہباؤں کی قدیم خانقاہ کو کہ جسے ایک صدی پیشتر ہسپتال میں تبدیل کر دیا گیا تھا، بیچا جا رہا تھا اس کی جگہ پر ایک اعلی درجے کا ہوٹل تعمیر ہونے جا رہا تھا۔۔۔ مگر اسقفاؤں اور راہباؤں اور دوسری اہم شخصیات کی تین نسلیں ابھی بھی وہاں مدفون تھیں۔ پہلا مرحلہ یہی تھا کہ مدفن کے ان تہہ خانوں کو خالی کیا جائے۔ ان کی باقیات کو ان کے دعویداروں کے حوالے کر دیا

جائے اور بقیہ کو ایک قبر میں دفنا دیا جائے۔۔۔۔ تیرا اونچی قربان گاہ کے تیسرے طاق میں اس جانب مضمر تھا جدھر انجیل مقدس رکھی جاتی تھیں۔ پتھر کدال کی پہلی ہی ضرب سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور تانبے کی سی بھرپور رنگت کے جادواں بالوں کی ایک لہر سی مدفن سے ابل پڑی۔ فورمین نے مزدوروں کی مدد سے تمام تر بالوں کو باہر نکالنے کی کوشش کی مگر جتنا وہ انہیں باہر نکالتے، اتنے ہی وہ مزید لمبے اور کثیر دکھائی دیتے۔ حتی کہ ان کے آخری سرے ایک نوجوان لڑکی کی کھوپڑی سے جڑی ہوئی حالت میں سامنے آگئے۔ فرش پر پھیلی حالت میں ان شاندار بالوں کی لمبائی بائیس میٹر اور گیارہ سینٹی میٹر نکلی۔ جذبات سے عاری اس فورمین نے وضاحت کی کہ موت کے بعد بال ہر ماہ ایک سینٹی میٹر کے حساب سے بڑھتے ہیں اور یہ کہ بائیس میٹر بال دو سو برس کے حساب سے ایک اچھی اوسط ہے۔ تاہم میں اسے کوئی معمولی بات نہ سمجھتا، کیونکہ جب میں کہ ابھی بچہ تھا میری دادی نے مجھے ایک ایسی چھوٹی سی بارہ سالہ مارکوئس کے بارے میں کہ جس کے بال اس کے پیچھے کسی دلہن کے لٹکتے ہوئے دامن کی طرح سے لہراتے ایک کہاوت سنائی تھی۔ وہ ایک کتے کے کاٹنے سے لاحق شدہ باؤلے پن کی وجہ سے مر گئی تھی اور جسے کیریبئن کے ساحل کے ساتھ واقعہ قصبوں میں ان بہت سے معجزوں کی وجہ سے جو اس نے دکھائے تھے عقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ خیال کہ ممکن ہے یہ مدفن اسی کا ہو' اس دن کے لئے میری خبر اور اس کتاب کی بنیاد بنا۔" [iv] مارکیز کے اس ناول کے وجود میں آنے کا پس منظر دیکھنے کے ساتھ جو بات ذہن انسانی میں اجاگر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ دیومالائی کہانیاں جنھوں نے بھی تخلیق کی تھیں، ہم انہیں جھوٹ یا خرافات کہہ کر فوراً سے مسترد نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ کائنات میں فکر کے جتنے بھی شعبہ جات تھے اور ہیں، ان کی وابستگی بلواسطہ یا بلاواسطہ مابعد الطبیعات سے منضبط نظر آتی ہے۔ کائنات بنیادی طور پر ایک ایسی اکائی ہے، جس کے متعلق ہر کس و ناکس کے ذہن میں کوئی نہ کوئی رائے ضرور ابھرتی ہے۔ اور اس رائے کو پیش کرنے کا طریقہ ہر دور میں مختلف رہا جس میں بسا اوقات افسانوی رنگ کی آمیزش قدرے زیادہ دکھائی دیتی رہی ہے۔ انسانی روح اور مذہب، دیوتاؤں کے انسانوں کے ساتھ روابط، خوف سے موت کا جنم لینا، کشف و کرامات کی حامل شخصیات کے غیر معمولی واقعات، کائنات میں انسان کا مقام، خدا اور انسان کا تعلق، کائنات کے آفرینش کے کارہائے عمل کی تشریح و توضیح وغیرہ، یہ سب معاملات فکریات اور مابعد الطبیعات سے جڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مارکیز کے زیر مطالعہ ناول "محبتوں کے آسیب" میں یہ صورت حال بکثرت دکھائی دے رہی ہے۔ مثلاً ناول میں ایک ایسا کردار جو غیب کے بھیدوں سے واقف ہوتا ہے، مارکیز اس کا نقشہ کچھ اس طرح پیش کرتا ہے کہ

سا گنتانامی آزاد روانڈین عورت۔۔۔وہ بہت بوڑھی تھی اور کیریٹو کی لکڑی کی ایک چھڑی کے سہارے اور سر تا پا سفید چادر میں لپٹی ہوئی حالت میں سخت دھوپ میں ننگے پاؤں چلتی تھی۔وہ کنوار پن کی بحالی اور اسقاط کی ماہر کے طور پر بدنام تھی مگر یہ سب کچھ ان قدیم رازوں سے اس کی واقفیت کی بنا پر نظر انداز کر دیا جاتا تھا جن سے لاعلاج امراض کا علاج ممکن تھا۔[v]

مندرجہ بالا اقتباس میں مارکیز اس نکتہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، کہ معاشرے میں ایسے افراد اپنے ذہنی شعور کو اس حد تک بڑھا دیتے ہیں کہ وہ عرفان حقیقت نہ صرف ان کی اپنی ذات کے لیے بلکہ دوسروں کے لیے بھی مہلک ثابت ہونے لگتا ہے۔انسان کی فکری تاریخ کے ابتدائی مراحل میں وجدان کو صداقت کی اعلیٰ ترین صفات میں شمار کیا جانے کا غالب رجحان تھا۔مزید یہ کہ توہمات پرستی اپنے عروج پر تھی۔ناول کا مرکزی کردار "سائیوا ماریہ" اس دور کے مروجہ عقائد سے نبرد آزما ہوتا ہے۔سائیوا ماریہ کی پیدائش کے وقت زچگی کی پیچیدگیوں کی بدولت دائیہ کی طرف سے دعویٰ کیا گیا کہ لڑکی زندہ نہیں بچے گی۔دوسری جانب ڈومینگاڈی ایڈوینٹو نے خدا سے وعدہ کیا، کہ اگر یہ لڑکی زندہ بچی تو اس کے بال شادی کی رات تک نہیں کاٹے جائیں گے۔اس وعدے کے فوراً بعد بچی کی پیدائش ہو گئی اور یہ تصور زور پکڑنے لگ گیا کہ ”یہ ولی اللہ بنے گی“۔اس سب کے ساتھ لڑکی کی ماں کا بیٹی کو پہلی اور آخری مرتبہ دودھ پلانا اور ملازمہ کے حوالے کر دینا کہ وہ اسے مار نہ ڈالے۔بن ماں باپ کی بچی کا سا بچپن گزارا۔ گارشیا مارکیز نے اس صورت حال کو بہت دلچسپ داستانوی پیرائے میں بیان کیا ہے۔”ڈومینگاڈی ایڈوینٹو" نے ہی اسے دودھ پلایا۔اس کا بپتسمہ کیا اور اسے نامعلوم جنس کے ایک ایسے دیوتا اولوکن کے نام نذر کر دیا، جس کے چہرے کے بارے میں یہ تصور کیا جاتا تھا کہ وہ اس قدر خوفناک ہے کہ وہ صرف خواب میں دکھائی دیتا ہے، اور اس پر ہمیشہ خون چڑھا رہتا ہے۔غلاموں کے حصے میں منتقل ہونے کے بعد سائیوا ماریہ رقص سیکھ چکی تھی، اس سے پہلے کہ وہ بول سکتی، ایک ہی وقت میں تین افریقی زبانیں سیکھ چکی تھی، ناشتے سے پہلے مرغ کا خون پینے اور تمام عیسائیوں کے قریب سے کسی غیر مادی مخلوق کی طرح ان دیکھی اور ان سنی گزر جانے کی صلاحیت حاصل کر چکی تھی۔۔۔اس کے گرد سیاہ فام لونڈیوں 'یوریشی النسل خادماؤں اور کام کاج کے لیے انڈین لڑکیوں کا ایک ایسا دربار برپا کر رکھا تھا، جو اسے ٹھنڈے پانی سے غسل دیتیں۔اسے یمایہ کے ساگون سے پوتر کرتیں۔۔۔بالوں کے اس لہریے کی کہ جو پانچ سال کی عمر میں اس کی کمر تک پہنچتا تھا کچھ اس طور دیکھ بھال کرتیں، گویا کہ وہ گلاب کی کوئی جھاڑی ہو۔۔۔گردن میں مختلف دیوتاؤں کے نام کے

موتی لٹکاتی رہیں حتی کہ ایک موقع پر وہ سولہ ہار پہنے پھرتی تھی۔[vi] اگر بہ نظرِ غائر جائزہ لیا جائے، تو در حقیقت یہ ایسا مابعد الطبیعاتی عنصر ہے، جو تخیلی دنیا اور مافوق الفطرت کرداروں کی انوکھی اور نرالی منزل جو کوہ قاف کے جیسی معلوم ہوتی ہے، قاری کو وہاں تک پہنچا دیتا ہے۔ جس سے قاری یا سامع تجسس و جستجو کی عمیق گہرائیوں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے اور اپنے تئیں آگے بڑھنے کی کوشش جاری و ساری رکھتا ہے۔ زیر نظر ناول میں مذاہب عالم کی طرح مسئلہ خیر و شر ابلیس کے ساتھ مربوط نظر آتا ہے۔ داستانوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے عام طور پر تخیل کی ایک ایسی دنیا آباد کی جاتی ہے جہاں خیر اور شر (شر عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی برا، برائی اور تکلیف رساں کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مذاہب عالم میں وہ تمام اعمال جو خالق کائنات کی ناراضی اور خلق خدا کی دل آزاری و تکلیف کا موجب بنیں ۔ شر کی ذیل میں آتے ہیں۔) کی طاقتیں باہم مقابل نظر آتی ہیں۔ جرمن فلاسفر کے نزدیک شر کی ایک قسم مابعد الطبیعی بھی ہے۔ اس سے اس کی مراد ہے، کہ خدا کی ہستی ہی لامحدود ہے اور خیر مطلق ہے۔ خدا کے سوا ہر مخلوق میں کچھ نہ کچھ کمی لازمی ہے۔ یونانی فلاسفر سقراط کہتا ہے کہ

> ”کوئی شخص بدی کو بدی جان کر اس کا مرتکب نہیں ہوتا۔۔۔۔ ہر قسم کی بداخلاقی در حقیقت
> جہالت کا نتیجہ ہے۔ نیکی علم سے اور بدی جہل سے سرزد ہوتی ہے۔[vii]

زیر نظر ناول ”محبتوں کا آسیب“ کائنات اور الہیاتی مسائل کا اپنے آپ میں ایک ایسا مرقع ہے، جس میں ایک ایک جملہ ایک الگ نظریہ فکر کی ترجمانی کرتا ہے۔ مارکیز ناول میں ایک مقام پر پادری ڈیلڈرا کے الفاظ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ”وہ بدی کی قوتوں کو اس قدر طاقت کی حامل خیال کرتی ہے کہ وہ بذات خود شیطان کی پجاری دکھائی دینے لگتی ہے۔“[viii] ناول ”محبتوں کے آسیب“ میں خادمہ کی موت کے بعد جب سائیو ماریہ کے والدین بیٹی کی تربیت اور پڑھائی لکھائی پر نہ چاہتے ہوئے دھیان دینے لگتے ہیں اور مختلف النوع مضامین (ریاضی، سائنس) کے لیے اتالیق مقرر کرتے ہیں۔ لیکن سائیو ماریہ کی جانب سے کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہ کیا گیا، لہذا اساتذہ مایوسی کا شکار ہو کر معذرت کر کے چلے جاتے تھے۔ بعد ازاں موسیقار کو تعینات کیا گیا لیکن صورت حال جوں کی توں رہی اور استانی نے رخصت طلب کرتے ہوئے معذرت خواہ انداز میں مارکوس سے کہا کہ یہ بات ہرگز نہیں کہ لڑکی ہر کام کے لیے غیر موزوں ہے۔ درحقیقت وہ اس دنیا سے تعلق ہی نہیں رکھتی ہے۔ ماریہ کی کیفیت اس کے والدین بالخصوص ماں کے لیے کسی اذیت سے کم نہ تھی۔ وہ اپنی بیٹی کے لیے کینہ دبائے ہوئے تھی، لیکن جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ یہ احساس یک طرفہ نہیں دوطرفہ ہے۔ مارکیز نے بہت ہی باریکی سے اور جامع انداز میں کرداروں کی نفسیاتی صورت حال کو واضح کر دیا ہے۔

> جب سے اس نے اپنی بیٹی میں ایک مخصوص بھوت پریت والی خاصیت پائی تھی، اس کا دل حلق میں اٹکا ہوا تھا۔ وہ محض ان وقتوں کی یاد پر بھی کپکپا اٹھتی تھی کہ جب وہ پیچھے مڑتی اور اپنے آپ کو باریک جالی دار کپڑوں میں ملبوس اس پژمردہ مخلوق کی پراسرار نظروں کے عین مقابل پاتی، جس کے کھلے بال تب بھی اس کے گھٹنوں تک پہنچتے تھے۔ "اے لڑکی" وہ چلاتی، میں تمہیں اس طرح اپنی طرف دیکھنے سے منع کرتی ہوں۔۔۔۔ اندر آنے سے پہلے آواز دیا کرو۔۔۔۔ رات میں حالت بدتر ہو جاتی کیونکہ یہ محسوس کرتے ہوئے کہ کسی نے اسے چھوا ہے۔۔۔ وہ لڑکی اس کی نیند میں اس کو دیکھتے ہوئے بستر کی پائنتی کی طرف موجود ہوتی۔۔۔ کلائی کے گرد گائے کے گلے کی گھنٹی باندھنے کی اس کی کوشش ناکام گئی۔۔۔۔ حرکات اس قدر دبے پاؤں ہوتی تھیں، کہ اس سے آواز ہی نہ آتی تھی۔۔۔۔ ان کے مراسم تب شدید مشکل کا شکار ہوئے جب برنارڈا۔۔۔۔ علی الصبح جاگ گئی اور پانی کے بڑے سے مرتبان کے پیندے میں سائیو امار یہ کی گڑیوں میں سے ایک کو موجود پایا۔۔۔ ایک قتل کی گئی گڑیا۔" [ix]

دوسری دنیا کے باشندے جو مافوق الفطرت عناصر جو خاصیتوں کے حامل ہوتے ہیں، سامعین و قارئین کے مادہ تجسس کو بھڑکاتے ہیں اور ان کے تخیل پر تازیانے کا کام کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ داستان میں رنگینی، پیچیدگی، بوقلمونی اور دلچسپی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ انسانی زندگی سے ان کا تعلق معمولی نہیں غیر معمولی ہے۔ "محبتوں کے آسیب" اگرچہ ناول ہے لیکن اس میں داستانوی پن موجود ہے۔ مافوق الفطرت عناصر ایک عام انسان کے تجربے اور مشاہدے سے بہت کم تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ حیرت واستعجاب میں پڑتا ہے اور خود اپنی قوت متخیلہ سے کام لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے، غور و فکر کرتا ہے اور غور و فکر میں کھو جاتا ہے۔ اس طرح اس کے تخیل کی پرورش ہوتی ہے اور وہ ماورائی اور تخیلی فضا کو یکسر سمجھتے ہوئے ان کی گہرائیوں اور گیرائیوں کو دیکھ لیتا ہے اور بعینہ یہی صورت حال مارکیز کے ہاں نظر آتی ہے۔ مارکیز کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ اپنی کہانیوں میں حیات و کائنات کے تمام پہلوؤں کو سمیٹ لیتا ہے اور ان اسرار کا رمز تلاش کرتا ہے، جو ایک عام نگاہ نہیں دیکھ سکتی ہے۔ حیرت اس وقت قدرے شدت سے جنم لیتی ہے، کہ وہ ہر پہلو تمام نتائج کے ساتھ سامنے رکھ کر بھی گنجائش چھوڑ دیتا ہے، کہ قاری اپنے ذہنی استعداد کے مطابق منطقی انجام کو بتدریج پہنچے۔ توہم پرستی بھی اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ جیسا کہ اس ناول کی کہانی میں ایک بچی کو باؤلے کتے نے کاٹا اور پھر جب علاج کے لیے سر دھڑ کا زور لگایا گیا، تو ساتھ ہی ساتھ معاشرے کی عام مروجہ روایت عقیدے اور ماحول کے مطابق آسیب، جادو

کا خدشہ بھی لاحق ہوا۔ شیطان کے فریبوں میں سے ایک یہ ہے، کہ کسی معصوم کے جسم میں داخل ہو کر شدید بیماری کی شکل اختیار کر لینا۔مارکیز اس تمام عمل کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے

> بیچاری لڑکی!"کتے میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔"اس ہنگامی حالت میں بلائے جانے پر ابیرینتیسو نے اس عام وہم کو رد کیا کہ باؤلے پن کے مریض اس جانور جیسے بن جاتے ہیں۔۔۔اگر آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں تو آپ کے پاس ایک اور صورت بھی ہے "خدا پر بھروسہ رکھیں"مارکوس نے خدا پر تو نہیں لیکن ہر اس چیز پر انحصار کیا جو کچھ امید دلاتی ہو۔شہر میں تین دوسرے ڈاکٹر، چھ عطار، گیارہ حجام، جراح اور بے شمار جادوگر معالج اور فن افسوں کے ماہرین تھے۔اگرچہ مذہبی عدالت نے پچھلے پچاس برس کے دوران ان میں سے ۱۳۰۰ کو مختلف سزائیں دی تھیں اور سات کو بلی پر جلا دیا گیا تھا۔۔۔بخار تو اتر گیا مگر کسی کی یہ کہنے کی جرات نہ ہوئی کہ باؤلے پن کا خطرہ ٹل گیا ہے۔سائیو امار یہ یوں محسوس کرتی تھی جیسے وہ مر رہی ہو۔۔۔وہ درد اور غصے کی حالت میں چیختے ہوئے فرش پر لوٹتی۔انتہائی باہمت معالج بھی اس یقین کے ساتھ اسے اس کی قسمت کے حال پر چھوڑ گئے، کہ وہ یا تو پاگل ہو چکی ہے یا پھر بدروحوں کے قبضے میں تھی۔[x]

ہر عہد اور ہر مذہب میں دنیا کے انسانوں کی ایک کثیر تعداد نے ہمیشہ جادو کے اثر کو تسلیم کیا ہے، اور جھاڑ پھونک کے عمل کی جانب قدم اٹھایا گیا۔ آسیب زدگی، سحر و جادو ہر معاشرے میں چاہے وہ مغرب ہو یا مشرق پایا جاتا ہے۔جادو، سحر ایک حقیقت ہے اور اس کی نحوست کا انسان پر بھی اثر ہوتا ہے۔کالا علم، تعویز گنڈے، منت ماننا، چھڑی ڈنڈا، جھاوڑ و وغیرہ رفع اثرات کے لیے استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔شیطانی اثرات معلوم اور زائل کرنے کے حربے کے طور پر ناول میں ساگنتا کا ماریہ کے اور اپنے جسم پر مرہم لگا کر باہم رگڑنا ایک ایسا ہی عمل ہے۔ایسی تاریخی حقیقت جو کہ درست بھی ہے، مارکیز نے یورپی جادوگروں کے انداز پر روشنی ڈالی ہے۔ مغرب میں اگر دیکھا جائے تو یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہے، کہ مختلف تحریکیں تیرھویں سے سترھویں صدی کے دوران عسکریت پسندانہ مسیحیت پر استوار کی گئی تھیں۔لہذا جادوگری جیسے خبطی افعال کی انجام دہی اور اس کے فروغ میں حکمران طبقے کی منشا و رضا شامل رہی ہے۔کیونکہ یورپ میں مسیحیت کی تحریکوں کا جوش و خروش سے پھیلاؤ اور مقبولیت بھی حکمران طبقوں کے زیر قبضہ دولت اور قوت کے اختیارات کے خلاف تھی۔مارکیز اپنا مابعد الطبیعاتی کینڈا اس ضمن میں پیش کر کے تاریخی حقائق کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔یورپی تہذیب کی مادیت اور بدعت پسندانہ سرگرمیوں، پر تشکیک رجحانات اور ذہنی تذبذب کے باوجود خدا کے بغیر کائنات کا تصور ناممکن تھا، کیونکہ خدا کے تصور کے بغیر اندھی فطری قوتیں روئے زمین پر فتنہ و فساد برپا کر کے انسانی زندگی کو المناک

حد تک بے مقصد بنا سکتی ہیں۔ جب اس طرح کا ماحول ہو تو انسانی عقیدہ متزلزل ہونا اور اس کا بھٹک جانا ممکنات میں سے ہو جاتا ہے، جیسا کہ سائیو امار یہ کے والد اور اسقف کے درمیان گفتگو کچھ اس انداز میں ہوتی ہے کہ

> "معالجین چاہے جو بھی دعویٰ کریں" اس نے کہا" انسانوں میں باؤلا پن اکثر اوقات شیطان کے پھندوں میں سے ایک ہوتا ہے۔"[xi]

مارکیز کے اس ناول "محبتوں کے آسیب" میں مافوق الفطرت عناصر کا اثر عام دکھائی دیتا ہے اور اس میں شیطان اور اس کے کردار پر خصوصی روشنی ڈالی گئی ہے۔ شیطان دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، اور خدا دلوں کے احوال جانتا ہے۔ پھر بھی اپنی رسی ڈھیلی رکھتا ہے۔ خیر و شر کی کشاکش کو بھیانک روپ اختیار کرنے کا موقع دیتا ہے۔ مارکیز اپنے ایک کردار ڈیلدا کے ذریعے اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔ "بعض اوقات ہم کچھ ایسی چیزوں کو جنہیں ہم سمجھ نہیں پاتے یہ سوچے بغیر شیطان کے سر تھوپ دیتے ہیں کہ ہو سکتا ہے یہ سب ایسا خدائی عمل ہو، جسے ہم سمجھ نہیں پائے ہوں۔"[xii] اسی طرح ایک اور جگہ اسقف کہتے ہیں۔

> "تمہیں خدا کی ضرورت ہے جبکہ تم یوں ظاہر کرتے ہو جیسے کچھ نہ جانتے ہو'۔۔۔ میں اس شدید ترین بدقسمتی سے دوچار ہوں جو کہ کسی انسان کو لاحق ہو سکتی ہے۔ میرا یقین متزلزل ہو چکا ہے۔'۔۔۔ اس لئے جو بات ضروری ہے وہ یہ نہیں کہ تمہیں یقین نہیں رہا، بلکہ یہ ہے کہ خدا کا تم پر یقین قائم رہے۔"[xiii]

زیر نظر ناول میں جا بجا خدا انسان اور شیطان کا مثلث اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ مذہبی الہیات گڈ مڈ کر دی گئی ہے۔ اس کا سبب مذہب کی سماجی اور سیاسی بالا دستی تھی۔ ابن رشد نے اس صورت حال کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے مذہبی و عقلی صداقتوں میں امتیاز پر زور دیا۔ اس کے بعد عقل کی برتری کا عہد شروع ہوا۔ فلسفۂ جدید کے بانی ڈیکارٹ نے ابن رشد کے قائم کردہ فرق کو سختی سے روا رکھا، حالانکہ وہ ایک پابند شریعت عیسائی تھا۔ اسی طرح کرکیگارڈ کا بنیادی مسئلہ انسان اور خدا دونوں پر مشتمل ہے۔ مارٹن لوتھر نے عقل کے مقابل ایمان کی برتری کا تصور پیش کیا تھا اور کرکیگارڈ اس کے نتائج کو قبول کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور اس کے نظریہ کی رو سے مذہبی دور میں فرد کسی تجریدی کائناتی ضابطے کے بجائے خدا کے حضور سر بسجود ہوتا ہے۔ وہ اپنے تئیں متناہی فرد و مخلوق کے روپ میں شناخت کرتے ہوئے خدا کے حضور اس کا اقرار کرتا ہے۔ اور اخلاقی قانون سے ماورا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ

ناول میں سائیو امار یہ کا والد اسے سانتا کلارا کی خانقاہ میں بھجوانے پر ذاتی طور پر رضامند نہیں ہوتا، کیونکہ وہ وہاں کے ماحول اور اپنی بیٹی کی حالت زار سے آگاہ ہوتا ہے۔ لیکن اسقف کی کہی ہوئی باتیں (خدا کی ذات سے دلبر داشتہ شخص کو) جذباتی انتشار میں مبتلا کر دیتی ہیں، وہ تذبذب کی حالت میں ہوتا ہے۔ وہ ایک مقام پر اسقف سے کہتے ہیں کہ "نہیں جانتا کہ مجھ میں خدا کی مرضی کے خلاف کچھ کرنے کی صلاحیت ہے"[xiv] بالآخر وہ اپنی بیٹی کی صحت کو دیکھتے ہوئے خانقاہ کے لیے راضی ہو جاتا ہے۔ لیکن دل ہی دل میں اس تیقن سے لرز سا جاتا ہے، کہ وہ اپنی بیٹی کو موت کو گلے لگانے میں مدد کر رہا ہے۔ مارکیز مارکوس کی ذہنی و جذباتی کیفیت کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اپنا ایمان کھو دینے کے بعد پہلی مرتبہ اس نے دعا کرنے کی تحریک محسوس کی۔ وہ اس خدا کو واپس پا لینے کی بھرپور کوشش کرنے کے لئے جس نے اسے تنہا چھوڑ دیا تھا"[xv] متذکرہ بالا صورت حال جو کہ ناول میں پیش کی گئی ہے، اس کی فنی نقطہ نظر سے مزید وضاحت ڈاکٹر محمد یسین کے قول سے ہو جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

> "فن جیسا کہ مابعد الطبیعات کے ماہرین کا قول ہے، حسن کے تصور یا خداوند تعالی کی ذات و صفات کا اظہار نہیں، فن محض تفریح کا سامان بھی نہیں بلکہ یہ انسانوں کے دلوں کو جوڑنے کا ذریعہ ہے۔ جس سے بنی نوع بشر کی زندگی بہتر بنائی جا سکتی ہے۔"[xvi]

گیبریئل گارشیا مارکیز کی انفرادیت کا نمایاں پہلو یہ ہے، کہ وہ انسان کی کیفیات کو حقیقت سے جوڑ کر پیش کرتے ہیں۔ ارتقا اپنے فطری عمل کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ مارکیز ناول میں مارکوس کے طویل عرصے بعد عبادت خانے جانے کا ارادہ کرنے اور پھر دعا مانگنے کے عمل میں بھی تشکک کو سامنے لاتا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی انسان مکمل طور پر ایمان سے محروم نہیں ہو سکتا ہے۔ کچھ نہ کچھ شک باقی رہ ہی جاتا ہے۔ اکثر اوقات ایمان اور عقیدہ کھو جانے کے بعد بھی اس جگہ کمی سی رہ جاتی ہے، جو دھبہ کی مانند ہوتی ہے جہاں ایمان پایا جاتا ہے اور اسے مکمل طور پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ انیسویں صدی کے فرانسیسی دانش وروں نے اس نقطہ نظر کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ خدا کا مفروضہ فضول اور مہنگا ہے، ہم اس کے بغیر ہی گزارہ کر لیں گے۔ تنقیدی حوالے سے دیکھا جائے تو یہ سوچ، نظریہ انسانی مزاج کو تادیر تقویت نہیں پہنچا سکتا ہے۔ اس تناظر میں اگر مارکیز کے نظریے کو دیکھا جائے تو وہ یوں لکھتے ہیں کہ

> "عبادت خانے میں گیا مگر بے سود۔ بے عقیدگی عقیدے سے زیادہ مزاحم ہوتی ہے کیونکہ حواس اس کا ساتھ دیتے ہیں۔"[xvii]

مذہب و عقیدے کے ساتھ جذباتی وابستگی لازم وملزوم ہوتی ہے، جس کا تعلق ماورائی ہستی کی جانب ہوتا ہے۔ خدا کے حضور خدا کا وجود ثابت کرنے کی سعی اس کی توہین کے مترادف ہے۔ الٰہیاتی وجودیت اپنی شان و شوکت کے ساتھ ہے۔ ماورا کو متعین کرنے کی کوشش حواس سے نہیں کرنی چاہیے۔

علاوہ ازیں زیر نظر ناول میں مختلف مفکرین، شاعروں، فلاسفرز جن میں فرے گیرونڈیو، والٹئیر، گلیلو وغیرہ شامل ہیں، کا ذکر کیا گیا ہے۔ عیسائی مذہب کی تاریخ بالخصوص نشاۃ الثانیہ سے پہلے اور بعد کے حالات کو کہانی کے ساتھ جوڑ کر خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ گیبرئیل گارشیامارکیز کا مابعد الطبیعاتی تصور انہی حالات سے جنم لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور اسی تصور کو اپنے فکشن میں کس خوبی سے اس نے نبھایا ہے اس ناول کا غائر مطالعہ کرنے سے اس کو دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ مارکیز کے اسی تصور کے مزید بہت ساری جہات اس ناول سے متراوش ہیں لیکن مضمون کی طوالت کے پیش نظر ان کے مفصل تذکرے سے گریز کیا جاتا ہے اور متذکرہ بالا مباحث کو مشتے از خروار کے مصداق قارئین و محققین کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے، اور یہ مضمون مارکیز کے اس تصور پر مفصل و مربوط انداز میں کام کرنے کی طرف ایک قدم ہی تصور کیا جا سکتا ہے۔

## حوالہ جات:

i محی الدین قادری زور، ڈاکٹر: تنقیدی مقالات، حیدر آباد دکن، طبع اول، ۱۹۲۲، ص ۲۷۲

ii قاضی عابد، ڈاکٹر، اساطیر، کتھ، کہانی اور مابعد جدید تناظر، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۱۶، ص ۳۳

iii فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو کی منظوم داستانیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۲۰۰۲، ص ۵۰

iv گیبرئیل گارشیامارکیز، محبتوں کے آسیب، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۲، ص ۵،۶

v ایضا، ص ۱۵

vi ایضا، ص ۴۵

vii بحوالہ: اردو داستانوں میں تصور خیر وشر از سعید احمد، مقالہ برائے ایم اے اردو پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہو (۱۹۹۴ ۱۹۹۴) غیر مطبوعہ، ص ۴)

viii گیبرئیل گارشیامارکیز، محبتوں کے آسیب، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۲، ص ۸۷

ix گیبرئیل گارشیامارکیز، محبتوں کے آسیب، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۲، ص ۴۷

x ایضا، ص ۵۳، ۵۲

xi ایضا، ص ۶۰

xii ایضا، ص ۸۵

xiii ایضا، ص ۵۸، ۵۷

xiv ایضا، ص ۷۷

xv ایضا، ص ۶۲

xvi محمد یسین، ڈاکٹر، ناول کا فن اور نظریہ، دارالنور، لاہور، ۲۰۱۳، ص ۱۵۹

xvii گیبرئیل گارشیامارکیز، محبتوں کے آسیب، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۲، ص ۶۲